دینی جدوجہد کا اصل محور

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

(۳)

ایک اور بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ بعض لوگ دعوت وتبلیغ کی بنیاد اس کو بناتے ہیں کہ دین کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی پہلو عوام پر واضح کیے جائیں۔ ذہنوں میں جو ابہام ان کی طرف سے پیدا ہو گیا ہے اُسے دُور کیا جائے اور حکومتِ وقت کو بھی مجبور کیا جائے کہ وہ ان اسلامی قوانین کو مُلک کے دستور کی حیثیت سے نافذ کرے، ورنہ ایسی حکومت کے قیام کی از خود سعی کی جائے۔ اُن کے خیال کے مطابق یہ ساری خرابیاں اسی لیے پنپ رہی ہیں کہ اسلامی حکومت موجود نہیں ہے۔ اور ایک مرتبہ اگر "صحیح معنوں میں اسلامی حکومت" قائم ہو گئی اور اسلام کا عدالتی نظام جاری ہو گیا تو وہ حکومت کی مدد اور عدالت کے فیصلوں کے ذریعہ ان ساری خرافات کو "ایک ایک کرکے" ختم کرتے چلے جائیں گے۔

بلاشبہ یہ درست ہے کہ اسلام کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی بلکہ دیگر نوعیت کے بھی تمام احکامات کے نفاذ کی جدوجہد کرنی ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر زمین اللہ کی ہے تو اس پر قانون بھی اللہ ہی کا چلنا چاہیے، اور مخلوق پر اس کے خالق ہی کا حکم نافذ اور واجب العمل ہونا حق ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اگر کوئی کلمہ گو کسی اسلامی قانون کو اپنے مفاد کے خلاف سمجھ کر کہیں اور

سے اپنا مقدمہ فیصل کرائے تو یہ بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے اور قرآن مجید میں اسی کو تحاکم الی الطاغوت بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی صاف عیاں ہے کہ قرآن و سنت میں صرف نماز، روزے، حج یا ذکر و تلاوت ہی کے لیے احکامات نہیں ہیں، بلکہ نکاح، طلاق، وراثت اور ایسے ہی دیگر معاشرتی مسائل میں طریقے اور ضابطے بھی دیئے گئے ہیں۔ حرمت سود، جوئے اور سٹے کی ممانعت، تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں حلال و حرام کی قیود اور عدل اجتماعی کے متوازن اُصولوں کو مقرر بھی کیا گیا ہے۔ نظام مملکت کو درست طریقے پر چلانے اور قائم رکھنے کے لیے راعی اور رعایا کے باہمی حقوق، مشاورت کے احکام، عدلیہ کی آزادی اور دوسرے ریاستی اُمور کے بارے میں ایک بہت ہی جامع خاکہ بھی دے دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ احکامات و قوانین انھی لوگوں پر نافذ ہونے کے لیے ہیں جن کا ایمان اس ظلم کی تلبیس سے پاک ہو چکا ہو، جس کا نام شرک ہے یا کم از کم بادی النظر میں جو شرک سے تائب ہو چکے ہوں اور مشرکانہ اشغال و مراسم کے اندر مبتلا نہ پائے جائیں۔ اسلام کی یہ ساری تعلیمات اپنے مزاج میں اُسی فطرت کو لیے ہوئے ہیں جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی لوگ ان کو نبھا کر چل سکتے ہیں۔ جو اپنی فطرت کو مسخ نہ کر چکے ہوں۔ یہ شجر کاری صرف ایسی ہی زمین پر ممکن ہے جو تخصور زدہ نہ ہو، ورنہ اُصولاً فصل اگانے سے قبل اس کی سمیت کو دُور کرنا لازم ہے۔

اِس ضرورت کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے طریقۂ کار سے ہوتا ہے، جو دینی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں زیادہ تر کوششیں نظریاتی انقلاب برپا کرنے کے لیے تھیں۔ عرب کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات پر اخلاقی اعتبار سے زبردست تنقیدیں تو کی گئیں، لیکن اس کے بالمقابل قانونی و دستوری احکامات نازل نہیں ہوئے، بلکہ ان شعبوں میں بھی سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات

اور اُس کے اختیارات کو منوانے، سمجھانے اور ذہن نشین کرلینے پر دیا گیا۔
اس کے بعد جب ایسا خطۂ زمین — مدینہ — میسر آگیا جہاں علو و تفوق
مسلمانوں کو حاصل تھا اور زمام کار بھی ان اہل ایمان کے ہاتھ میں آگئی، جو اللہ
تبارک و تعالیٰ کو زبان ہی سے نہیں، بلکہ دل و جان سے تکوینی و تشریعی حاکم،
قانون ساز، مقتدر اعلیٰ اور مالک الملک تسلیم کرتے تھے تو مجبور معیشت، معاشرت
سیاست وغیرہ شعبہ ہائے زندگی کے لیے قانونی و دستوری نوعیت کے تفصیلی
احکامات تدریجاً نازل اور نافذ ہوتے چلے گئے۔ اِدھر کوئی حکم اُترتا اور اُدھر
کسی اینچ پینچ اور لیت و لعل کے بجائے، آن کی آن میں پورا مسلم معاشرہ اس پر
کاربند ہو جاتا تھا۔ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دو سال بعد نافذ ہوا، زنا، قذف
اور لعان کے فوجداری قوانین اور پردے کا حکم ۴ھ میں، پردے کے تفصیلی
احکامات ۵ھ کے وسط میں اور نکاح اور طلاق کے ضابطے ۶ھ میں جاری
ہوئے اور سُود کی حرمت کا قانون ۸ھ میں نازل ہوا، وغیرہ۔ لیکن اسلام کی
اعتقادی تعلیمات کا مسئلہ اس سے بڑی حد تک مختلف تھا۔ شرک کی ایک ایک
قسم کو چھوڑ دینے اور توحید کی ایک ایک نوعیت کو مان لینے کا مطالبہ اوّل روز ہی
سے تھا۔ اس شعبہ میں تدریجی طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسلام قبول کرتے
ہی ایک مسلم کو شرک کی ہر نوعیت سے دستبردار ہو کر توحید خالص کو مکمل صورت میں اپنانا پڑتا تھا۔

حاشا، اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ نفاذِ شریعت کا معاملہ غیر اہم ہے — نہیں
ہرگز نہیں، کیونکہ اسلام کو اپنا دین کہنے والوں پر اس دینِ کامل پر پورا اطلاق
ہونا بدیہی امر ہے — اور اگر اہل کتاب کو لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا
التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ۔ مائدہ - ۶۸) (تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ
تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو)، کہہ کر ملامت کیا جاسکتا ہے تو اہل اسلام کے لیے بھی
اس اُصول پر لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَّۃَ (تم بھی ہرگز
کسی اصل پر نہیں ہو جب تک قرآن و سنت کو قائم نہ کرو)، کا حکم لگانا مبنی بر انصاف

ہے۔ نیز اب نہ کسی نئی شریعت کے تدریجی نزول ہی کا انتظار ہے۔ احکامات جو بھی ہیں قرآن وسنّت میں موجود ہیں اور اُن کے نفاذ کے لیے اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مامور اور ماخوذ ہیں ۔۔ اور شریعت کا بے کم وکاست اجراء ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن مطالبہ اس چیز کا ہے کہ جب اسلامی نظام کا راستہ ہموار کرنے اور عوام وخواص میں اسلام کو عملاً پسندیدہ بنانے کی جستجو کرتے ہوئے اگر جدید ریاستوں کے قوانین اور دساتیر کی خامیاں بتائی جاسکتی ہیں، عصرِ حاضر کے ملحدانہ افکار پر جرح ہوسکتی ہے اور انسانی ذہن کے ساختہ نظام ہائے حیات پر تنقید کرکے اُن کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سب کے مقابلہ میں دینی احکامات کے اقتصادی و تمدنی محاسن اور بینک کاری، تجارت اور عدالت کے اسلامی اُصولوں کی خوبیاں اُجاگر کرنے کے لیے سرگرمی بھی دکھائی جاسکتی ہے تو پھر ان مشرکانہ خرافات واعتقادات کی قلعی کھولنے اور اسلامی عقاید کی حقیقت سمجھانے کے لیے بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی محنت کرنی چاہیے۔ اللہ کے ساتھ یا اُس کے سوا کسی اور کو مافوق الاسباب ولی وکارساز، حاجت روا مشکل کشا اور حامی وناصر سمجھنا یا وسیلہ اور سفارشی بناتے ہوئے اپنی بگڑی بنانے اور مرادیں پوری کرانے کے لیے پکارنا اور اسی طرح کے دیگر صریح مشرکانہ افعال کا ارتکاب بھی کوئی ذاتی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو اہلِ اسلام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہو، بلکہ قرآن وسنت کے محکم ارشادات کے برخلاف ایک روش ہے۔ حق اپنے ساتھ باطل کا ساجھا لگانے پر ہرگز تیار نہیں ہے، اور نہ شریعت ان منکرات کے ساتھ نبھ کر چل سکتی ہے۔ آج تو صورتِ حال یہ ہے کہ اُمت کا جمِ غفیر توحید کے کسی ایک شعبہ ہی میں نہیں بلکہ شاید تمام ہی شعبوں میں ابہام کا شکار ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی معرفتِ صحیحہ اُس کو حاصل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن علاقوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مشرکانہ اور جاہلانہ خرافات کی ہوائیں چل رہی ہوں، جہاں ہر چھوٹے بڑے قصبہ اور شہر میں

وفات یافتہ بزرگوں کی قبریں سجدہ گاہ بنائی جا رہی ہوں، قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کا ہجوم سارا دن خشوع و خضوع کے ساتھ طواف کرنا، تبرک اور نذرانے چڑھانا، منتیں اور مرادیں مانگتا اور صاحبِ قبر کی دھائیاں دیتا نظر آئے، جن علاقوں میں بزرگانِ دین کو مشکل کشا، داتا، دستگیر، غوث، گنج بخش وغیرہ وغیرہ سمجھ کر اپنی حاجت براری کے لیے صبح و شام پکارا جاتا ہو۔ جہاں کی اکثر مسجدوں میں شرکیہ علامات اور عقیدہ کی بدعتوں کا علانیہ دوردورہ ہو، جہاں سال کے کچھ خاص دنوں میں علم، پنجے، ذوالجناح، تابوت اور شبیہوں کے طول طویل جلوس نکال کر چرچا چاہی ہوتی ہو اور جہاں لاکھوں افراد کسی کے دامن سے وابستگی کا تصور ذہنوں میں جما کر آخرت کی جواب دہی سے بے پروا ہو گئے ہوں اور جہاں ایسے اور اسی نوعیت کے ہزاروں مشرکانہ اعمال و رسومات کے لیے مذہبی استدلال بھی مشرکین عرب سے کچھ مختلف نہ کیا جاتا ہو، جہاں ان منکرات کے خلاف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی ہو بلکہ ان کو اپنا جانی دشمن سمجھا جائے اور جہاں کے اچھے خاصے دیندار لوگ بھی ان فواحش کو دین کے فروعی اور اختلافی مسائل کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہوں، وہاں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ کی عظمت و کبریائی، اس کی جلالت و قدرت، اور اس کی شانِ یکتائی و بے نیازی کو اتارا جائے۔ حقیقتِ آخرت، مناظرِ قدرت، جنت کے حسن و انعامات، جہنم کی دل خراش ہولناکیوں اور اللہ کے حضور بندوں کی پیشی اور اعمال کی بازپرس کا احساس دلا کر ان کے قلوب و اذہان میں اسی ایک کے واحد و قہار اور مالکِ یوم الدین ہونے کا حقیقی تصور پیدا کیا جائے۔ انذار و تبشیر کے مؤثر طریقوں سے حکمت و موعظہ حسنہ کے لطیف پیرایوں سے، آفاق و انفس کی زندہ شہادتوں سے اور کلامِ الٰہی کے رقت انگیز اور ولولہ افروز خطبات کے ذریعہ شرک اور اس کی تمام اقسام پر مدلل تنقید، ان کی ضلالت و قباحت کا نمایاں اظہار اور

(باقی بر صفحہ ۳۵)